Fikr-o-Nasar (Islamabad) 22:2 (1984)

علامہ اقبالؒ اور علوم و فنون کی اسلامی منہاج

ڈاکٹر محمد ریاض

دین اسلام ایک لاینفک وحدت کا مظہر ہے۔ اس کی رو سے مذہب و سیاست اور روح و مادہ وغیرھم کی مغائرت عبث ہے۔ مگر عالم مغرب کئی صدیوں سے اس مغائرت کو برت رہا ہے اور اس کے نتیجے میں علوم وفنون کی ترقی نے کئی انسان کش کام کئے اور منجملہ دیگر امور بیسویں صدی کی دو عالمی جنگیں اس لحاظ سے قابل عبرت و حوالہ ھیں ۔ ایسی تباہ کاریوں نے سائنسی علوم کو ,,علم غیر نافع ،، بنا کے رکھ دیا اور بنی نوع انسان سے ھمدردی رکھنے والے حساس لوگ سرشت انسانی کی دھائی دینے لگے کہ :

انسان کہ رخ ز غازۂ تہذیب برفروخت
خاک سیاہ خویش چو آئینہ وانمود
پوشید پنجہ را تہ دستانۂ حریر
افسونی قلم شد وتیغ از کمر گشود
این بوالھوس صنمکدۂ صلح عام (۱) ، ساخت
رقصید گرد او بنو اھائے چنگ و عود
دیدم چو جنگ پردۂ ناموس او درید
جز ,, یسفک الدماء ،، ,, خصیم مبین ،، نبود (۲)

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

علامہ اقبال نے " تہذیب " کے عنوان سے منقولہ بالا قطعہ شاید ۱۹۲۲ ء میں لکھا ہو (پیام مشرق) کیونکہ یہ نظموں اور قطعوں کے آخر میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال پر پہلی جنگ عظیم کے عمیق اثرات پڑے اور ایسا نہ ہونا عجیب ہوتا کیونکہ وہ " دیدۂ بینائے قوم " ہی نہ تھے ، پوری انسانی برادری کے دکھ درد سے متاثر ہو کر راتوں کو آہ و زاری کرنے والے بھی تھے :

قوم گویا جسم ہے ، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفل نظم حکومت ، چہرۂ زیبائے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے ، دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو ، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ (۳)

بہر انسان چشم من شبہا گریست
تا دریدم پردۂ اسرار زیست (۴)

اقبال کے دیدۂ با بصیرت نے دوسری عالمی جنگ کے دھندلکے بھی دیکھ لئے تھے۔ فرماتے ہیں :

خبر ملی ہے خدایان بحر وبر سے مجھے
فرنگ رہگذر سیل بے پناہ میں ہے
شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ (۵)

علامہ مرحوم کا تأثر یہ تھا کہ زندگی کا مادی نقطۂ نظر اور سیکولر علوم و فنون ان تباہ کاریوں کو جنم دے رہے تھے لہذا پہلی

عالمی جنگ کے بعد کی ان کی کئی کتابوں میں اس صورت حال سے بیزاری نظر آتی ہے۔ مثلاً جاوید نامہ کے آخر میں وہ نئی نسل سے فرماتے ھیں :

عقلہا بی باک و دلہا بی گذار
چشمہا بی شرم و غرق اندر مجاز
علم و فن ، دین و سیاست ، عقل و دل
زوج زوج اندر طواف آب و گل
علم تا سوزی نگیرد از حیات
دل نگیرد لذتی از واردات

ایک ترک مفکر محمد سعید حلیم پاشا (۱۸۶۳ ـ ۱۹۲۱ ء) کے ایک کتابچے ,, اسلام لشمق ،، (اسلامیانا) اور ایک مقالے ,, مسلم معاشرے کی اصلاح ،، نے علامہ اقبال کو بے حد متاثر کیا تھا۔ ,, اسلام لشمق ,, ۱۹۱۸ ء میں استنبول کے رسالہ سبیل الرشاد میں شائع ھوئی اور مقالہ سہ ماھی ,, اسلامک کلچر ،، کی پہلی اشاعت (جنوری ۱۹۲۷ ء) میں شامل تھا۔ اس کتابچے اور مقالے کی تاثرات اقبال کے ھاں ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ، (خطبۂ ششم) اور ,, جاوید نامہ،، (فلک عطارد) میں دیکھے جا سکتے ھیں ۔ پاشائے موصوف اقبال کے ارشد معاصر (٦) تھے جنھوں نے ,, علم کے اسلامیانے ،، (٧) کی بات کہی تھی۔ وہ مغربی علم و دانش کے سیکولر یا لادین بنانے کی روش کے مقابل ,, اسلامیانے ،، کو اصطلاح لائے ھیں جن سے ان کا مدعا یہ تھا کہ دینی و روحانی نقطہ نظر ، توحید ، وحدت انسانی ، عظمت آدم روا داری اور عالمی اخوت کا دور دورہ ھو اور ملحدانہ روش کافور ھو جائے۔ جیسا کہ محمد مارما ڈیوک پکتھال مرحوم ۱۹۳٦ء نے تبصرہ

کرتے ہوئے لکھا تھا ، پاشائے موصوف کے نزدیک „ اسلام لشمق،،یعنی ملک و حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانا » (۸) تھا اور ظاہر ہے که علامه اقبال کا اسلامی مملکت کا تصور یہی تھا ۔ اقبال اسی لئے علمی الحاد اور لا دینی نقطۂ نظر یعنی دین یا دنیا کی تفریق کے بے حد خلاف تھے ۔ انہوں نے اپنے انگریزی خطبات اور منظوم کتابوں میں یورپ کے متاخر مفکرین اور مصنفین جیسے (۹) ڈارون ، فرائڈ (۱۰) اور کارل مارکس (۱۱) پر انتقادات لکھے اور مسلمانوں کو برملا تلقین کی که علوم و فنون کی اسلامی نہاد کا دامن مضبوطی سے پکڑیں ۔ زبور عجم (مثنوی بندگی نامه) میں اقبال موجوده علوم اور سائنس کی بڑی خرابی یه بتاتے هیں که اس میں شک وارتباب کی پرورش ہے اور یقین و ایمان کی نعمت ان کے ذریعے هاتھ نہیں لگتی :

علم حاضر پیش آفل (۱۲) در سجود
شک بیفزود ویقین از دل ربود
بے یقیں را لذت تحقیق نیست
بے یقیں را قوت تخلیق نیست
بے یقیں را رعشه ها اندر دل است
نقش نو آوردن او را مشکل است
از خودی دور است و رنجور است و بس
رهبر او ذوق جمہور است و بس

یعنی موجوده زمانے کے علوم و فنون ، چھپ جانے والوں (باطل قوتوں) کے سامنے سجده ریز هیں ۔ انہوں نے تشکک میں اضافه کیا اور یقین کو دل سے چھین لیا ۔ بے یقین کو لذت تحقیق نصیب هوتی ہے نه قوت تخلیق ۔ بے یقین کا دل کانپ رہا هوتا ہے ۔ اس کے لئے مشکل ہے که

تازہ اور جدید نقش رقم کرے ـ بے یقین خودی سے محروم ھے اور کئی اسقام کا حامل ھے ـ عوامی ذوق اس کا رھبر ھے اور بس ـ

اقبال کے نزدیک ایمان و یقین عظیم قوت ہے جو تحقیق و تخلیق کی بھی ممد و معاون ہوتی ہے ـ ملحدین اور منحرفین اس بات کو مانیں یا نہ مانیں مگر صاحبان ایمان اقبال کے تحقیقی و تخلیقی راھنمائی نامے کو ھمیشہ حرز جان بنائے رھیں گے ـ جاوید نامے میں ہے (فلک عطارد) :

مصطفیؐ اندر حرا خلوت گزید
مدتے جز خویشتن کس را ندید
صاحب تحقیق را جلوت عزیز
صاحب تخلیق را خلوت عزیز
چشم موسیؑ خواست دیدار وجود
این همه از لذت تحقیق بود
لن ترانی نکته ها دارد دقیق
اند کے گم شو درین بحر عمیق

اقبال نے یہاں حضرت موسیؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تلمیحات پیش کرکے اپنے تخلیقی افکار کو مستند بنایا ہے ـ وہ علم یا تعلیم مطلق کے قائل (۱۳) نہ تھے ـ علوم و فنون اس خاطر مفید ھیں کہ وہ زندگی کو مفید تر بنائیں :

آگہی از علم و فن مقصود نیست
غنچه و گل از چمن مقصود نیست
علم از سامان حفظ زندگی است
علم از اسباب تقویم خودی است

علم و فن از پیش خیزان حیات

علم و فن از خانه زادان حیات (۱۴)

۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اقبال کو حکومت افغانستان کو تعلیمی امور میں مشورہ دینے کی خاطر کابل پہنچنا تھا ۔ اس سے دو دن قبل انہوں نے ایک بیان میں فرمایا کہ مسلم ممالک کو اپنی قومی ضروریات کے تحت تعلیمی پالیسیاں بنانا چاہیئے اور سیکولر یا لادین نظام تعلیم مسلمانوں کے لئے بالخصوص کبھی مفید نہیں ہوسکتے (۱۵) اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اقبال علوم و فنون کی اسلامی نہاد کے کس قدر قائل تھے :

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف

تعلیم ہو گو فرنگیانہ

شاخ گل پر چہک و لیکن

کر اپنی خودی میں آشیانہ

(جاوید سے : ضرب کلیم)

اس لئے بانگ درا میں ہمیں مولانا حالی شیخ سعدی سے یہ غمازی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ :

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا

آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل

دنیا تو ملی ، طائر دیں کر گیا پرواز

دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی

فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر ، زمیں تاز

مذہب سے ہم آھنگی افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے ، جمعیت ملتا ہے اگر ساز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستان کا ہے آغاز

اقبال کا مدعا اسی قدر نہیں کہ نام نہاد مسلمان لادینی یا الحادی چنگل سے آزاد ھوں ، وہ ساری دنیا کے لئے بھی ایسی ھی آرزو رکھتے تھے - مغرب نے الحاد و لادینیت کو گلے لگایا تو اقبال ۱۹۳۲ء میں پروفیسر خالد خلیل (استنبول یونیورسٹی) کو اس کے مضرات کی طرف توجہ دلاتے ھیں اور دوسری عالمی جنگ کی برملا پیش گوئی کرتے ھیں :

„مذھب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیات ملی کے مختلف پہلوؤں کے لئے بیش بہا ترین سرمایہ کی حیثیت رکھتا ھے - بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذھب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ھوگا - شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ھلاکت کا باعث خود ھو ،، (۱٦) -

خواجہ غلام السیدین مرحوم نے „ اقبال کا فلسفہ تعلیم ،، (۱۷) میں اپنے نام اقبال کا ایک اردو خط مع ترجمہ نقل کیا ہے جس میں اقبال ، اپنے جاوید نامے کے حوالے سے „ علم کے اسلامیانے ،، کا درس دیتے ھیں :

علم بے عشق است از طوغوتیان
علم باعشق است از لاھوتیاں
بے محبت علم و حکمت مردۂ
عقل تیرے برھدف ناخوردۂ

کور رابیننده از دیدار کن

بولہب را حیدر کرار کن

بے عشق ، یعنی ملحدانہ اور لادینانہ علم طاغوت کے مشابہ ہے یا ابولہب کے ۔ اسے ,, اسلامیانے ،، اسے لاھوتی اور حیدر کراری بنانے سے عبارت ہوگا ۔ جاوید نامے میں ھی ہے :

دانش افرنگیاں غارت گری

دیرھا خیبر شد از بے حیدری

یعنی مغربی علم و سائنس لوٹ مار کے شبیہہ ہے ۔ حیدریّت کے فقدان نے مغربی علمی بت خانوں کو قلعہ خیبر کی طرح مستحکم بنا دیا ھے اور :

اس زمانے میں کوئی حیدر کرارؓ بھی ہے ؟

جاوید نامہ کے جو اشعار نقل ہوئے وہ فلک عطارد میں سے ھیں ۔ یہاں حکیم الامت نے ,, پیام مشرق ،، کو اپنے ایک شعر (۱۸) کی طرف اشارہ کیا اور قرآنی تلمیح (۱۹) پیش کی ھے ۔ یہاں علم یا سائنس کی قوتوں کی توصیف ھے اور ملحدانہ اور لادینانہ مغربی علم و دانش سے توحش بھی :

علم حرف وصوت را شہپر دھد

پاکئی گوھر بہ ناگوھر دھد

علم را بر اوج افلاک است رہ

تاز چشم مہر برکندد نگہ

نسخۂ او نسخۂ تفسیر کل

بستۂ تدبیر او تقدیر کل

دشت را گوید حبابے ده ، دهد
بحر را گوید ، سرابے ده ، دهد

چشم او بر واردات کائنات
تا ببیند محکمات کائنات

دل اگر بندد بحق پیغمبری است
ورزحق بیگانه گردد کافری است

علم رابے سوز دل خوانی شراست
نور او تاریکی بحـر و بر ست

عالمے از غاز او کوروکبـود
فرو دینش برگ ریز هست و بود

بحر و دشت و کوهسار و باغ و راغ
از بم طیارهٔ او داغ داغ

سینگ افرنگ را نارے ازوست
لذت شبخون ویلغارے ازوست

سیر و ازونے دهد ایام را
می برد سرمایهٔ اقوام را

قوتش ابلیس را یارے شود
نور ، نار از صحبت نارے شود

کشتن ابلیس کارے مشکل است
زانکه او گم اندر اعماق دل است

خوشتر آن باشد مسلمانش کنی
کشتهٔ شمشیر قرآنش کنی

از جـلال بے جمالے الامان
از فراق بے وصالے الامان

ترجمہ :

علم بات اور صدا کو شہپر دیتا ہے ۔ خزف اور سنگ ریزوں کو گوھر کی سی پاکیزگی دیتا ہے۔ اس کا راستہ بلندی افلاک تک ہے۔ یہاں تک کہ چشم آفتاب کی آنکھ (اشعہ) کو اسیر کر رہا ہے۔ اس کے مسودے میں کلیات کائنات کی تفسیر موجود ہے ۔ اس کی تدبیر کے ساتھ سب کی تقدیر وابستہ ہے ، دشت و ھوا کو کہتا ہے کہ پانی کا بلبلہ دو ، وہ دے دیتے ھیں ۔ سمندر کو کہتا ہے کہ ، سراب دے، اسے دینا پڑتا ہے۔ علم کی آنکھ کائنات کی واردات اور کیفیات پر لگی ہوئی ہے تاکہ اس کی محکمات کو مشاھدہ کرتا رہے ۔ علم اگر حسن سے دل لگائے تو یہ شان پیغمبری ھے ۔ حق سے بیگانہ اور لاتعلق ھو جائے ، تو یہ راہ کفر ھوگی ۔ علم کو تو دل کے سوز کے بغیر پڑھے اور سیکھے ، تو یہ شر ھے ۔ ایسے علم کی روشنی سے بحر و بر پر تاریکیاں چھا جائیں گی ۔ ایسے علم کے گیس اور دھویں سے ایک جہاں تیرہ و تار ھوگا ۔ اس کی بہار عالم ھستی کی خزاں ھوگی ۔ سمندر ، صحرا ، پہاڑ اور باغ و چمن ایسے علم کے جہازوں کی بمباری سے نالاں ھوں گے ۔ ایسے ھی علم نے مغرب کے سینے میں آتش پال رکھی ہے ۔ اسی علم نے مغرب والوں کی شبخونوں اور حملوں (جنگ جوئی)کو جنم دیا ہے۔ مغرب دنیا کو الٹی روش پر چلا رہا ہے اور اقوام و ملل کا سرمایہ حیات چھیننے جا رہا ہے۔ اس کی طاقت ابلیس کی دوستی نباہ رھی ہے۔ آتش (ابلیسیت) کی ھم نشینی سے نور نار ھو رہا ہے۔ ابلیس چونکہ دل کی گہرائیوں میں بیٹھا ھوا ہے ، اس کا مارنا اور تلف کرنا مشکل کام ہے۔ بہتر ھو تو اس کو مسلمان بنا لے اور شمشیر قرآن سے اسے نیچا دکھائے۔ اس جلال سے خدا کی

پناہ جس میں جمال نہ ہو ۔ اس فراق سے خدا کی پناہ جس میں وصال نہ ہو ۔

مندرجہ بالا اشعار ، جن کا آزاد ترجمہ نقل ہوا ، علامہ اقبال کے اس درد دل کے مظہر ھیں جو انہیں عالم انسانی کو بقا سے تھا اور جسکی بنا پر وہ علوم و فنون کی اسلامی نہاد کے اس قدر طالب تھے ۔ اس کتاب میں ، تجلی جمال ذات کی تلاش میں شاعر جب " حضور " میں آ پہنچتا ہے ، تو وہ " اس اسلامیائے ہوئے علم " کی اھمیت ایک بار پھر بتاتا ہے :

علم اگر کج فطرت و بدگو ھر است
پیش چشم ما حجاب اکبر است
علم را مقصود اگر باشد نظر
می شود هم جادہ وهم راهبر
می نهد پیش تو از قشر وجود
تا تو پرسی چیست راز این نمود ؟
جادہ را همدار سازد این چنین
شوق را بیدار سازد این چنین
درد و داغ وتاب وتب بخشد ترا
گریه هائے نیم شب بخشد ترا
علم تفسیر جهاں رنگ و بو
دیدہ و دل پرورش گیرد ازو
بر مقام جذب و شوق آرد ترا
باز چوں جبریلؑ بگذارد ترا

عشق کس را کے بخلوت می برد

او زچشم خویش غیرت می برد

اول او ہم رفیق وہم طریق

آخر او راہ رفتن بے رفیق

یعنی ,, علم ,, اگر کج رو اور بداصل ہو ، تو وہ ہماری آنکھ کے سامنے ایک عظیم پردہ بن جاتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد وحدت نظر اور دید ، ہو تو یہ راستہ بنتا ہے اور راہنما بھی۔ ایسا علم ہستی کو خول اور چھلکے سے نکال کر دکھاتا ہے تاکہ تو نمود کائنات کے راز پوچھنے لگے۔ ایسے ہی علم سے راہ زندگی ہموار ہوتی ہے اور شوق حیات بیدار ہوتا ہے۔ یہی علم تجھے درد و داغ ، سوز و ساز اور آدھی رات کے وقت غم انسانی میں رونا سکھاتا ہے۔ علم اس جہان رنگ و بو کی تفسیر کرتا اور دیدہ و دل کی پرورش کرتا ہے۔ تجھے جذب و شوق کے مقام پر لاتا ہے لیکن وہاں تیرا ساتھ ایسے ہی چھوڑ دیتا ہے جیسے شب معراج حضرت جبرائیل ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہی کے مقام پر چھوڑ گئے تھے (کیونکہ آگے مقام عشق کو طے کرکے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضور ذات پہنچنا تھا) ۔ عشق کسی کو خلوت میں کب لے جاتا ہے ۔ وہ تیری آنکھ سے نقش غیر مٹا دیتا ہے۔ وہ آغاز سے ہی رفیق طریق رہتا ہے مگر آخر میں رفیق و دوست کے بغیر اپنی منزل تک جا پہنچتا ہے۔

لفظ ,, عشق ,, کے اقبال کے ہاں کئی معانی ہیں لیکن علمی اور تعلیمی سیاق میں یہ حضرت علامہ کے ہاں پسندیدہ علم ودانش کا مظہر بن جاتا ہے۔ اقبال نے علم اور عشق اور عقل اور عشق کے امتزاج کی

بات بیسیوں مرتبہ کی اور یہ بھی علم و فنون اور افکار و نظریات کو اسلامی نہاد فراہم کرنے کی ایک صورت تھی :

علم در اندیشه می گیرد مقام
عشق را کا شانه قلب لاینام
علم تا از عشق بر خوردار نیست
جز تماشا خانهٔ افکار نیست
این تماشا خانهٔ سحر سامری است
علم بے روح القدس افسوں گری است
بے تجلی مرد دانا ره نبرد
از لکد کوب خیال خویش مرد
بے تجلی زندگی مجبوری است
عقل مہجوری و دیں مجبوری است
این جہان کوه و دشت و بحر وبر
ما نظر خواهیم و او گوید خبر
عشق شبخونے زدن بر لامکاں
گور را نادیده رفتن از جہاں
زور عشق از باد و خاک و آب نیست
قوتش از سختی اعصاب نیست
عشق بانان جویں خیبر کشاد
عشق در اندام مه چاکے نہاد
کلمهٔ نمرود بے ضربے شکست
لشکر فرعون بے حربے شکست

عشق درجاں چون بچشم اندر نظر
هم درون خانه هم بیرون در
عشق هم خاکستر وهم اخگر است
کاراواز دیـن و دانش برتراست (۲۰)

مثنوی « پس چه باید کرد » میں اقبال الحاد آمیز اور لادینی علوم و فنون کو حکمت فرعونی ، کا ایک شعبه قرار دیتے هیں ۔ اس روش کی رو سے علوم و فنون اور خود شناسی کا دور کا تعلق بھی نہیں ۔ یه طریق کار شب انسان کی سحر کیسے کرے گا (۲۱) بلکه زندگی کی شب اس سے (۲۲) تاریک تر هی رهے گی ۔

حکمتے از بند دیں آزادۂ
از مقام شوق دور افتادۂ
می شود در علم و فن صاحب نظر
از وجود خود نگردد با خبر
شیوۂ تہذیب نو آدم دری است
پردۂ آدم دری سوداگری است
ایں بنوک، ایں فکر چالاک یہود
نور حق از سینـۂ آدم ربود
تا ته و بالا نگردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں ، سودائے خام

اس مثنوی کے جس عنوان پر کتاب کا یه نام پڑا (پس چه باید کرد اے اقوام شرق) وہ زیر نظر موضوع کے اعتبار سے بے حد اهم ہے۔ اقبال یہاں اقوام مشرق اور ایشیائی سے مخاطـب هیـں جن میـں مسلمانوں کی تعداد قابل توجه ہے۔ وہ یہاں مشرقی اقوام کو صنعتی

اور علمی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا مشورہ دیتے ہیں اور مغرب اور مغربیت کے خلاف ایک ہمہ گیر جہاد کی تلقین کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مشرق ایک عظیم اور قابل رشک خطہ زمین تھا مگر مغربی اقوام نے ساری دنیا کی طرح اسے بھی تاراج کر رکھا ہے اقوام ایشیائی کو چاہیے کہ وہ مغرب کے حقیقی چہرے کو تاکیں اور اپنے اتحاد قوت کے کے ذریعے اس سے دست کش اور بے نیاز ہوں۔

اے اسیر رنگ ، پاک از رنگ شو
مومن خود کافر افرنگ شو
رشتۂ سود و زیاں دردست تست
آبروئے خاوراں دردست تست
ایں کہن اقوام را شیرازہ بند
رایت صدق و صفا را کن بلند
اہل حق را زندگی از قوت است
قوت ہر ملت از جمیعت است
رائے بے قوت ہمہ فکر و فسوں
قوت بے رائے جہل است وجنوں
دانی از افرنگ و از کار فرنگ
تا کجا درقید زنار فرنگ ؟
زخم ازو ، نشترازو ، سوزن ازو
ما وجوئے خون و امید رفو

اقبال اس وقت اٹلی کے ایتھوپیا پر حملے سے بے حد غم ناک تھے اور مذکورہ عنوان کا آغاز اس طرح کرتے ہیں :

آدمیت زار نالید از فرنگ
زندگی هنگامه برچید از فرنگ
پس چه باید کرد اے اقوام شرق ؟
باز روشن می شود ایام شرق
درضمیرش انقلاب آمد پدید
شب گذشت و آفتاب آمد پدید
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد
زیر گردوں رسم لادینی نہاد
گرگے اندر پوستین برہ
ہر زماں اندر کمین برہ
مشکلات حضرت انسان ازوست
آدمیت را غم پنہاں ازوست
درنگاهش آدمی آب و گل است
کاروان زندگی بے منزل است

آخری شعر دراصل بعد کے بند کی گریز کا حکم رکھتا ہے۔ اقبال مغرب کے جنگ جویانہ جوش جنون کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہاں کے علوم و فنون ملحدانہ ، لادینانہ اور بے مقصد ہیں ۔ علم و تعلیم کی بے مقصدیت اقوام مغرب کا ایک بڑا المیہ تھا اور ہے۔ علامہ اقبال اس لئے بعد کے معنی خیز بند میں علوم و فنون میں مشرقیت کی روح پھونکنے کی تاکید کرتے ہیں اور روح شرق دمیدن اور اسلامیانے میں زیادہ بعد نہیں ہے :

جو کچھ تو دیکھتا ہے ، حق کے انوار اور جلوے ہیں ۔ حکمت اشیاء یا سائنس حق کے اسرار ہیں ۔ جو ان آیات خدا کو دیکھے ، وہ

مرد حر ہے۔ اس مشاهداتی حکمت (سائنس) کا مطالعه قرآن مجید کے احکام میں شامل هے ۔ سائنسی علوم و فنون سے بنده مومن مسرور خاطر هوتا هے اور دوسرے انسانوں سے زیاده دلچسپی دکھاتا هے ۔ علم جب اس کے وجــود کو مــنور کرے تو اس کا دل زیاده خشیت الٰهی کا حامل بنتا هے ۔ سائنسی علوم همارے وجود کے لئے اکسیر هیں مگر افسوس مغرب میں ان کی تاثیر دوسری هے ۔ مغربی انسان کی عقل و فکر ، خوب و زشت کے معیاروں سے بےنیاز هے ۔ اس کی آنکھ بے نـم هے اور دل پتھر اینٹ کی طرح کا ۔ سائنس اور علم شہر و دشت میں اس کے هاتھوں رسـوا هیں ۔ جبرئیل علم کو اس کی صحبت نے ابلیس بنا دیا هے ۔ مغربی علوم شمشیر کندھے پر اٹھائے نوع انسانـی کی هلاکت و نابودی کے لئے سخت کوشاں نظر آتے هیں ۔ اس خیر و شر کے جہان میں علم و فن کی مستی کو سہارنا کم ظرفوں کا کام نہیں

مغرب والوں ، ان کے آئین اور اس کے لادینی سے مملو افکار سے الله کی پناه ۔ انهوں نے علم حق (سائنس) کو جادو سکھا دیا بلکه اسے کفر کا مظهر بنا دیا ۔ هر طرف فتنوں کی فریادیں برپا هیں ۔ اے مشرقی انسان ، مغربی راهزن سے یه شمشیریں چھین لے ۔ تو روح اور جسم کے تقاضے جانتا هے ۔ مغربی لادین تہذیب کا جادو توڑ ڈال ۔ مغرب کے بدن میں مشرقی روح پھونکنا چاهئیے تاکه وهاں کے علوم و فنون قفل معانی کی کلید بن سکیں ۔ عقل ، حکم دل کی تابع هو ، تو اس میں شان یزدانی آتی هے ۔ یه دل سے آزاد هو ، تو شیطان کی مظهر بن جاتی هے ۔

اوپر کا پیرا گراف دراصل ذیل کے اشعار آبدار کا قلم برداشته ترجمه تها :

هرچه می بینی زا نوار حق است
حکمت اشیا ز اسرار حق است
هرکه آیات خــدا بینـد حـراست
اصل این حکمت ز حکم نظـر است
بنــدهٔ مومن ازو بهروز تر
هم بحال دیگران دل سوز تر
علم چون روشن کند آب و گلش
از خدا ترسنّده تر گردد دلش
علم اشیا خاک مارا کیمیا ست
آه ، در افرنگ تاثیرش جداست
عقل و فکرش بے عیار خوب و زشت
چشم او بے نم ، دل او سنگ و خشت
علم ازو رسـواست اندر شهر و دشت
جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت
دانش افرنگیاں تیغے بدوش
در هلاک نوع انساں سخت کوش
باخساں اندر جهان خیر و شر
درنسازد مستئ علم و هنـر
آه از افرنگ و از آئین او
آه از اندیشهٔ لادین او
علم حق را ساحری آموختند
ساحری نے ، کافری آموختنـد

هر طرف صد فتنه می آرد نفیر
تیغ را از پنجۂ رہزن بگیر
اے که جاں را باز می دانی زتن
سحر این تہذیب لادینے شکن
روح شرق اندر تنش باید دمید
تابگردد قفل معنی را کلید
عقل اندر حکم دل یزدانی است
چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا نئے سال کا جو پیغام لاهور ریڈیو سٹیشن سے نشر ہوا تھا ، وہ بھی ان کی اس آرزو کا مظہر ہے کہ عالم انسانی علوم و فنون کی وہ نہاد فراہم کرنے پر متوجہ ہو جسے دین اسلام نے فراہم کیا ہے (۲۳) یا کم از کم وہ منہاج ایسی ہو جس میں انسانوں کے ساتھ دل سوزی اور نرمی و رأفت کارفرما نظر آئے - " صرف ایک اتحاد قابل اعتماد ہے اور یہ انسانوں کے بھائی چارے کا اتحاد ہے جو نسل ، قومیت رنگ یا زبان سے بالاتر ہے - جب تک نام نہاد جمہوریت ، ملعون قومیت اور بدنام ملوکیت کا استیصال نہ ہو ، جب تک تمام انسان اپنے اعمال سے "الخلق عیال الله " کی حکمت نہ جانیں ، جب تک نسل ، رنگ اور جغرافیائی قومیت کے امتیازات مکمل طور پر محو نہ ہوں ، اس وقت تک انسان ایک پر مسرت و اطمینان کی زندگی نہ گذار سکیں گے - اور اخوت ، حریت اور مساوات کے حسین تصورات کبھی جامہ عمل نہ پہن سکیں گے - اس لئے آئیے ہم نئے سال کا آغاز اس دعا و تمنا کے ساتھ کریں کہ خدائے تعالی صاحبان طاقت و اقتدار کو احترام